سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن پاکستان رجسٹرڈ لاہور ۵۷

اسلامی قانونِ وراثت

از قلم حقیقت رقم

سرکار سید العلماء علامہ سید علی نقی النقوی
مجتہد العصر مدظلہ

قیمت ۲ر آنے

امامیہ مشن پاکستان لاہور

کی بے لوث خدمات پر بیّن ثبوت وہ متعدد رسائل ہیں جو مختلف عناوین پر مطبوع ہو کر پبلک کے سامنے آئے ہیں۔ "اسلامی قانون وراثت" اس مقدس سلسلہ کا اکادُکا رسالہ ہے جو ادبی مضبوطی کے ساتھ ساتھ مخصوص لب و لہجہ کا آئینہ دار ہے۔ اس میں مصنف علّام نے روایتی اور درایتی حیثیت سے وراثت کے اصولی تنوع پر فاضلانہ بحث فرما کر یہ ثابت کیا ہے کہ شیعہ قانون وراثت قرآن کے مطابق ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ قانون کو اہلِ قانون سے اخذ کرنے اور ارباب اجتہاد سے لینے میں غیر مبہم فرق ہے کیونکہ یقین اور ظن دو مختلف مفہوم ہیں جو ماخذ کے اعتبار سے مرتب ہوتے ہیں۔ عول اور تعصیب کے اہم مسائل جو عرصہ دراز سے موضوع بحث بنے ہوئے ہیں اس رسالہ میں اس خوش اسلوبی سے بیان کیے ہیں۔ جو ارباب فکر و نظر کو ایک پوشیدہ حقیقت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اس میں شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ راسخون فی العلم کے ذریعہ جو علم حاصل کیا جائے وہی حقیقی علم ہے۔ اس کے علاوہ ظن و قیاس ہیں۔

تعجب یہ ہے اسلامی قوانین کا اول ماخذ قرآن ہے۔ لیکن مسائل استنباط کرنے میں قرآن کا مفہوم اہل قرآن سے حاصل کرنے کے بجائے اہل قیاس سے لیا جاتا ہے جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ فقہ قرآن کے بجائے قیاسات کا مجموعہ بن گئی۔

(جنرل سیکرٹری)

(تعلیمی پریس لاہور)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ سید الانبیاء والمرسلین وآلہ الطاہرین ط

اسلامی قانونِ وراثت کا اصل اصول یہ ہے کہ :-

اولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ (انفال ۷)

"صاحبانِ قرابت ایک دوسرے کے ساتھ قانونِ الٰہی میں زیادہ ختصاص واستحقاق رکھتے ہیں۔"

نیز یہ کہ للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل منہ اوکثر نصیبا مفروضا (نساء آیت ۷)

"مردوں کا بھی اپنے والدین اور عزیز واقاریب کے ترکہ میں حصہ ہے اور عورتوں کا بھی ان کے ماں باپ عزیز اور اقارب کے متروکہ میں حصہ ہے کہ جو شریعت کی رو سے مقرر ہے۔"

اس طرح اس رواج کو کہ میراث میں صنفِ اناث کو حصہ نہ دیا جائے ختم کیا۔

اس اصول کے ماتحت حکم میراث کے دو ۲ بنیادی رکن ہیں:-

(ایک ۱) ہر شخص کے لیے حق ملکیت تسلیم کرنا ان اموال میں جن کی ملکیت ان اسباب سے جنھیں قانونِ مذہب نے معتبر قرار دیا ہے اسے

حاصل ہے۔

(دوسرے) ہر شخص کے قرابتداروں کا اس کی ذات سے متعلق اشیاء میں اس کے بعد ایسا خصوصی حق تسلیم کرنا جس میں ایک حد تک خود اس کی مرضی کو بھی دخل نہیں ہے۔

قرابت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ولادت اور نسل کے تعلق سے اور دوسرے بغیر پیدائشی رشتہ کے کسی خاص تعلق کے ذریعہ سے۔ پہلی قسم کی قرابت کو نسب کہتے ہیں اور دوسری کو سبب۔ یہ قرابت عارضی بھی ہوتی ہے جو تعلق کے ختم ہونے سے قطع ہو جاتی ہے۔

نوعیت استحقاق

اسلام میں جو حقوق مالی مسلمانوں کے ذمہ عائد ہیں وہ جن افراد کو ملنا چاہئیں ان کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ان میں اعتبار لینے والوں کے اوصاف اور حالات کا ہے، جیسے زکوٰۃ اور خمس جن کے مستحق وہ غیر سید یا سادات افراد ہوتے ہیں جو شرعی اصطلاح کے مطابق فقیر ہیں یعنی سال بھر کے کھانے کا سہارا نہیں رکھتے۔ اگرچہ وہ عارضی حیثیت سے محتاج ہو گئے ہوں، جیسے ابن السبیل یعنی مسافر جو اپنے وطن سے دور ہونے کی وجہ سے پریشان حال ہو، چاہے وہ اپنے گھر میں رکھتا ہی کیوں نہ ہو۔

دوسرے وہ کہ جن میں اعتبار اس شخص کے ساتھ نسبی یا سببی قرابت کا

ہے، جیسے نان و نفقہ جو بیوی کے لیے زندگی میں واجب ہے یہ ذمہ داری اس رشتہ کی بنا پر ہے اس میں اعتبار بیوی کی مالی حیثیت کا نہیں ہے۔ ایسی ہی چیز ہے میراث۔ جو بعد موت ہوتی ہے۔ اس کا نسبی یا سببی رشتہ داریوں کے ساتھ تعلق ہے جو انسان کے اس عام فطری رجحان کی ہمت افزائی ہے کہ اسے اپنے بعد کے لیے اپنے قرابتداروں کا لحاظ ہونا چاہیئے اور وہ اپنے سے وابستہ املاک کا غیروں کے پاس جانا عموماً پسند نہیں کرتا۔

ہو سکتا ہے بعض اشخاص اس کے خلاف رجحان رکھتے ہوں مگر شریعت کہ جو مطابق فطرت ہے اپنے قوانین کو اوسطاً معتدل طبیعت والے افراد کے نفسیات کے مطابق رکھتی ہے اور صحت مند تصورات کی ہمت افزائی کرتی ہے۔ ایسے غیر معتدل رجحانات رکھنے والے افراد کے لیے اس نے وصیت کا دروازہ کھلا رکھا۔ یا اپنی زندگی میں جسے چاہیں اسے اپنی املاک ہبہ کر دینے کا جس میں ثلث کی بھی قید نہیں ہے۔ جو رضائے ورثہ نہ ہونے کی صورت میں وصیت کے لیے معتبر قرار دی گئی ہے۔

میراث میں استحقاق کا دارومدار صرف قرابت پر ہے انکی ذاتی حیثیت غربت و املاک اور پریشان حالی کا کوئی لحاظ نہیں ہے۔ اگر دو عزیز ہیں اور ایک قرابت زیادہ رکھتا ہے اور دوسرا کم تو جسکی قرابت زیادہ ہو وہ وارث ہوگا چاہے حیثیت کے لحاظ سے وہ کوئی امیر کبیر ہو اور جس کی قرابت دور کی ہو وہ وارث نہ ہوگا۔ چاہے وہ انتہائی محتاج اور بے نوا ہو۔ ہاں صلۂ رحم کی بنا پر وہ غنی اگر خود اس محتاج کو سب مال دیدے تو وہ اس کا فعل ہے اس کا میراث سے

کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی کو قرآن نے کہا ہے۔ واولوا الارحام بعضھم
اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ من المومنین والمھاجرین الا ان تفعلوا
الیٰ اولیائکم معروفا (احزاب آیۃ ۶)
یعنی میراث کے حقدار تو وہی ہیں جو قرابت کے لحاظ سے زیادہ قریب
ہوں۔ لیکن مخصوص آدمیوں کے ساتھ تم خود حسن سلوک کرنا چاہو تو وہ اور بات ہے[1]
یا جیسا کہ پہلے ہم کہہ چکے ہیں میت خود بطور وصیت دور والوں کے لیے کوئی
مقدار مقررہ کر دے۔

ورثہ کے طبقات کی تقسیم شرع اسلامی میں تمام تر اسی اصول پر ہے۔

طبقاتِ میراث

نسبی رشتہ سے میراث پانے والوں کے تین طبقے ہیں۔ ان میں سے ہر
پہلے طبقہ کے کسی وارث کی موجودگی میں دوسرے طبقہ والوں کو میراث نہیں ملتی

پہلا طبقہ

والدین اور اولاد:-
چونکہ قرابت نسبی کی بنیاد تناسل پر ہے، اس لیے شخص کو درمیان میں رکھ
کر جب خط کھینچیے تو یکساں طور پر ایک خط اوپر کھینچتا ہے تو وہ ان تک پہنچتا ہے
جن سے براہِ راست یہ پیدا ہوا ہے اور وہ باپ ماں ہیں اور ایک خط نیچے کھنچتا ہے

[1] جیسا کہ تفسیر میں ہے یعنی فید التوصیۃ (صافی)

تو وہ ان تک پہنچتا ہے جو اس سے پیدا ہوئے ہیں اور وہ اس کے بیٹے بیٹیاں ہیں یہ دونوں طبقے میت سے برابر کا رشتہ رکھتے ہیں[1]۔ باقی جتنے قسم کے اعزا سے بھی قرابت ہوگی وہ انہی کے ذریعہ سے ہوگی۔ ان کے برابر نہیں ہو سکتی۔

دوسرا طبقہ

اجداد و اخوہ :۔

باپ ماں سے پھر دو خط کھنچتے ہیں۔ ایک ان کے اوپر اور ایک نیچے۔ اوپر باپ اور ماں کے باپ ماں — یہ اجداد ہیں اور نیچے باپ ماں کی اولاد۔ یہ میت کے بھائی بہن ہوتے ہیں۔ یہ دو قسم کے رشتہ دار ہیں وہ جن کا نسلی رشتہ میت تک ایک واسطہ سے پہنچتا ہے۔ یعنی باپ ماں کے باپ ماں اور باپ ماں کے بیٹے بیٹیاں۔ اس وجہ سے میت کے ساتھ قرابت میں یہ دونوں صنفیں مساوی درجہ رکھتی ہیں۔

تیسرا طبقہ

چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ۔ ان سے قرابت دادا دادی اور نانا نانی کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ انکی اولاد ہیں۔

ان تمام طبقات میں کہیں پہلے طبقہ کی موجودگی میں دوسرے طبقہ والے کو نہیں ملتا باپ ماں اور اولاد کی موجودگی میں دادا اور نانا وغیرہ اور بھائی بہنوں کو نہیں ملتا۔ اور انکی موجودگی میں پھوپھی وغیرہ کو نہیں ملتا۔

مذکورہ رشتوں میں یہ امر بالکل نمایاں ہے کہ اولاد اپنے مافوق کے لحاظ سے طبقہ میں متاخر ہوا کرتی ہے۔

[1] جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے۔ لا تدرون ایّهم اقرب لکم نفعا (نساء آیت ۱۱)

بھائی والدین کی اولاد ہیں تو والدین طبقۂ اولیٰ میں ہیں، انکی اولاد بھائی دوسرے طبقہ میں ہیں۔ اسی طرح چچا اور ماموں وغیرہ اجداد کی اولاد ہیں تو اجداد طبقۂ دوم میں ہیں، اور چچا، ماموں وغیرہ طبقۂ سوم میں ہیں۔

یہ وہاں ہے جہاں عرفِ عام میں اولاد کا کوئی خاص رشتہ ہو جسکا کوئی مستقل نام ہو۔ جیسے باپ اور ماں کی اولاد کو عربی میں اخوہ کہا جاتا ہے۔ دادا اور نانا کی اولاد کو عم وخال وغیرہ کہا جاتا ہے لیکن جہاں عرفِ عام میں اولاد کا کوئی نام نہیں ہے وہاں یہ اصول ہے کہ یقومون مقام اٰبائھم عند فقدھم "یہ اپنے باپ ماں کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ ان کے مفقود ہونے کی حالت میں،" یہاں یہ ہوتا ہے کہ طبقہ انکا کوئی دوسرا نہیں ہوتا۔ مگر مرتبہ دوسرا ہو جاتا ہے مثلاً بھائی بہن کی اولاد۔ اردو میں اگر بھتیجے بھانجے کا ایک رشتہ ہے مگر عربی میں بھتیجے اور بھانجے کیلئے کوئی مستقل عنوان نہیں ہے۔ وہ بس ابن الاخ اور ابن الاخت کی لفظ سے تعبیر کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح چچا اور ماموں کی اولاد کا کوئی مستقل رشتہ نہیں ہے۔ وہ بس ابن العم اور ابن الخال کہے جاتے ہیں۔ اسی طرح خود اپنے پوتوں نواسوں اور نواسیوں کے لیے نام الگ الگ نہیں ہیں۔ اگرچہ ابناء کے ساتھ حفدہ کا لفظ ان کے لیے وارد ہوا ہے مگر جب لفظ اولاد یا ابناء تنہا ہو تو وہ اسی میں داخل ہوتے ہیں۔[۱]

لہٰذا ان کا حکم بھی وہی ہے۔ اور وہ یہ کہ بیٹے اور پوتے میں طبقہ مختلف نہیں ہوتا۔ مگر مرتبہ مختلف ہوتا ہے لہٰذا بہرحال بھائی کی موجودگی میں بھتیجے کو سگے چچا یا سگے ماموں کی

---

[۱] بے شک اجداد بھی لفظ "آباء" کے تحت میں داخل ہیں مگر قرآن مجید میں "آباء" کے لفظ کے ساتھ میراث کا اعلان نہیں کیا گیا ہے بلکہ ارشاد ہوا ہے۔ ولابویہ لکل واحد منھما السدس مما ترک ان کان لہ ولد۔

یہاں ابوین اور ام کا لفظ آیا ہے۔ اس میں اجداد داخل نہیں ہیں۔ اسلئے انکا طبقہ مختلف ہو گیا۔ مگر اولاد کی میراث کیلئے ... لفظ میں پوتے وغیرہ داخل ہیں اس لیے وہ اسی طبقہ میں قرار پائے۔

موجودگی میں چچا زاد بھائی یا ماموں زاد بھائی وغیرہ کو اور اس طرح بیٹے یا بیٹی کی موجودگی میں پوتے پوتی یا نواسے نواسی کو حصہ نہیں ملے گا۔

معلوم ہوا کہ یہ کوئی خاص حکم پوتے پوتی کے لیے نہیں ہے بلکہ پورا نظام میراث اسی اصول پر مبنی ہے۔ لہٰذا جو شخص اس قانون میں ترمیم کرے گا اسے پورے قانون میراث ہی کو تبدیل کرنا ہوگا۔ اور نظام شریعت سے مختلف ایک پورا نظام میراث کا ایجاد کرنا پڑیگا

وحدت طبقہ کا نتیجہ

طبقہ اور مرتبہ کے اختلاف کا ثمرہ فقط اس چیز میں ظاہر ہوتا ہے کہ جہاں اولاد طبقہ میں متاخر ہوتی ہے وہاں متقدم طبقہ والا دوسری صنف کا وارث بھی اس اولاد کے لیے ارث سے مانع ہو جاتا ہے جیسے اخوہ جو ابوین کی اولاد ہیں۔ چونکہ طبقہ میں نیچے چلے گئے ہیں۔ اس لیے اگر میت کے ابوین نہ ہوں بلکہ میت کی اولاد ہو جو ابوین کے ساتھ ایک طبقہ میں ہے تو وہ بھی اخوہ کی مانع ہو جائیگی۔ اسی طرح اعمام و اخوال جو اجداد کی اولاد ہیں چونکہ طبقہ میں نیچے اتار دیے گئے ہیں اس لیے اجداد بھی ہوں بلکہ اخوہ ہوں تو وہ بھی اعمام اخوال کے لیے مانع قرار پا جائیں گے۔ لیکن اگر طبقہ تاخر نہیں ہے تو بس اپنی ہی صنف میں اگر کوئی مرتبہ میں مقدم ہے تو وہ مانع ہوگا۔ مگر دوسری صنف کا وارث جو اسی طبقہ میں ہے وہ اس اولاد کا مانع نہیں ہوگا۔ مثلاً جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے بھائی بھتیجے سے مرتبۃً مقدم ہے اس لیے بھائی کے ہوتے بھتیجے کو نہیں ملے گا۔ لیکن اگر بھائی بہن کوئی نہ ہو۔ اجداد ہوں اور بھتیجے بھتیجیاں ہوں تو اجداد بھتیجے بھتیجوں کے حاجب نہیں ہوں گے۔ بلکہ اجداد کو ان کا حصہ ملیگا۔ اور بھتیجوں بھتیجیوں وغیرہ کو بھائیوں والا حصہ ملیگا۔ یہی حکم پوتوں کا ہے۔ اگر طبقہ میں وہ مؤخر ہوتے تو اولاد نہ بھی ہوتی بلکہ میت کے والدین ہوتے تو والدین بھی ان کے لیے مانع ہو جاتے۔ وہ طبقہ اخوہ اور اجداد کے برابر قرار پاتے لیکن چونکہ لفظ اولاد میں اندراج کی وجہ سے طبقہ انکا نہیں بدلا ہے۔ اسلئے بس اپنی صنف میں اگر مرتبۂ قریب تر یعنی بیٹا موجود ہو تو پوتے کو نہیں ملیگا۔ لیکن اگر بیٹا بیٹی کوئی نہیں ہے پوتے پوتیاں یا نواسے نواسیاں ہی ہوں تو وہ اپنے باپ ماں والا حصہ پائیں گے۔ چاہے میت کے والدین بھی موجود

ہوں۔ اس صورت میں والدین کو ان کا حصہ ملیگا جو اولاد کے ساتھ انھیں ملنا چاہیئے۔ اور پوتے پوتیوں نواسے نواسیوں کو ان بیٹوں بیٹیوں والا حصہ ملے گا جن کی یہ اولاد ہیں۔

اقسام ورثہ

وارثوں میں کچھ وہ ہیں جنکا نام لیکر حصۂ قرآن مجید میں مقرر کردیا گیا ہے، ان کو ذوی الفروض کہا جاتا ہے

ذوی الفروض حسب ذیل ہیں:-

(۱) ایک بیٹی۔ اس کے لیے آدھا ترکہ (نصف) ہے (وان کانت واحدۃ فلھا النصف) (نساء ۱۱)

(۲) ایک سے زیادہ بیٹیاں، ان کیلئے دو تہائی (ثلثان) مقرر ہیں۔ (فان کن نساءً فوق اثنتین[1] فلھن ثلثا ما ترک (نساء ۱۱)

(۳) والدین بصورت اولاد جن میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصّہ ہے۔ (سُدُس) (ولابویہ لکل واحد منھما السدس مما ترک ان کان لہ ولدٌ (نساء ۱۱)

(۴) ماں درصورت وجود برادرانِ میت۔ اس کا بھی چھٹا حصّہ ہے۔ حالانکہ خود بھائی ماں کی موجودگی میں میراث کے مستحق نہیں ہیں مگر وہ ماں کے حصّہ پر اثر انداز ہو جاتے ہیں (فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس (نساء ۱۱)

چونکہ قرآن مجید میں جمع کا لفظ آیا ہے اس لیے بھائی حاجب اسی وقت ہوں گے جب ایک سے زیادہ ہوں اور چونکہ حکم میراث میں عورت مرد کی نصف ہے اس لیے دو بہنیں حکم میں ایک بھائی کے قرار پائیں گی لہٰذا چار بہنیں ہوں یا ایک بھائی اور دو بہنیں ہوں، اس وقت یہ حکم جاری ہوگا۔[2]

---

[1] الفاظ قرآن میں صراحت فوق اثنتین کی کی گئی ہے جس سے دو سے زیادہ کا حکم معلوم ہو۔ لیکن چونکہ اس کے مقابل وان کانت واحدۃ کہا گیا ہے، اس سے استفادہ ہوتا ہے کہ دو کا حکم بھی یہی ہے۔ الا انہ اجتمعت علی ان حکم البنتین حکم ما زاد علیھما من البنات (طبری)

[2] والاختان بمنزلۃ اخ واحد (صافی)

(۵) ماں بصورتیکہ نہ اولاد میت کی موجود ہو اور نہ بھائی۔ اس صورت میں اس کے لیے ایک تہائی (ثُلُث) مقرر ہے (فان لم یکن له ولد وورثه ابواه فلامه الثلث (نساء ۱۱)

(۶) مادری بھائی بہن (کلالۃ الام) اگر ایک ہو تو اس کے لیے سُدس ہے اور ایک سے زیادہ ہوں تو ثلث (وان کان رجل یورث کلالۃ اوامرأۃ وله اخ اواخت فلکل واحد منهما السدس وان کانوا اکثر من ذلک فهم شرکاء فی الثلث (نساء ۱۲)

(۷) بہنیں (حقیقی یا علاتی) متعدد ہوں تو دو تہائی (ثلثین) اور اگر ایک ہو تو نصف (ان امرؤ هلک لیس له ولد وله اخت فلها نصف ما ترک وهو یرثها ان لم یکن لها ولد فان کانتا اثنتین فلهما الثلثان مما ترک (نساء ۱۷۶)

ان کے علاوہ وہ ہیں جنہیں میراث شرعاً ملتی ہے مگر حصہ ان کا نام لے کر معین نہیں ہوا ہے۔ عموم آیۂ اولوا الارحام کے تحت میں وہ حصہ پاتے ہیں۔ نیز اس آیت کے عموم کے تحت کہ ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون (یعنی) ماں باپ اور دوسرے قرابتدار جو بھی ترکہ چھوڑیں۔ ہر ایک کے لیے ہماری جانب سے اعزاء کو وارث قرار دیا گیا ہے۔ (نساء ۳۳) ایسے ورثہ کو اصحاب قرابت کہتے ہیں۔

تقسیم میراث کا اصول

جب دونوں قسم کے ورثہ ایک ہی طبقہ والے جمع ہوں۔ کچھ وہ جو ذوی الفروض ہوں اور کچھ وہ جو اصحاب قرابت ہیں تو اصول یہ ہے کہ پہلے ذوی الفروض کا جو حصہ مقرر ہے وہ ان کے لیے نکال دیا جائیگا۔ پھر مابقی اصحاب قرابت کو ملے گا۔ مثلاً:۔

پہلے طبقہ میں والدین اور اولاد ہے۔ ان میں فرض کیجیے کہ میت کے ماں باپ ہیں اور اسکا ایک بیٹا یا کئی بیٹے یا بیٹے بیٹیاں ہیں تو یہاں ماں باپ ذوی الفروض میں سے ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے لیے قرآن مجید میں اولاد کے ہوتے ہوئے سُدس یعنی چھٹا حصہ معین کر دیا گیا لہٰذا ان میں سے ہر ایک کو ایک سدس دے دیا جائیگا۔ اولاد جو موجود ہے وہ اسی طبقہ میں ہے۔ مگر اس کا کوئی حصہ مقرر نہیں ہے۔ لہٰذا وہ اصحاب قرابت ہیں۔ باقی سب اس کو مل جائیگا۔ اگر ایک بیٹا ہے تو پورا اس کو اور اگر کئی بیٹے ہیں تو برابر سے تقسیم اور بیٹے بیٹیاں تو

للذکر مثل حظ الانثیین بیٹے کو دوہرا اور بیٹی کو اکہرے حساب سے تقسیم کر دیا جائے گا۔ لیکن
اگر باپ ماں کے ساتھ بیٹی یا بیٹیاں ہوں تو یہاں دونوں صنفیں ذوی الفروض ہیں۔ کیونکہ جسطرح والدین کا حصہ مقرر ہے اسیطرح
بیٹی کے لیے نصف اور دو کے لیے ثلثان بھی قرآن میں موجود ہیں۔ لہٰذا اس صورت میں
بیٹی اور بیٹیوں کا حصہ بھی جو معین ہے نکالا جائیگا۔ اور باپ ماں کا بھی۔ لیکن اگر
صاحب قرابت طبقۂ اولیٰ میں ہے اور ذوی الفروض طبقۂ ثانیہ میں تو میراث طبقۂ اولیٰ
کو مل جائے گی۔ اگرچہ وہ ذوی الفروض نہ ہو۔ اور طبقۂ ثانیہ والا باوجود ذوی الفروض ہونے
کے محروم ہوگا۔ جیسے بیٹا اور ایک بہن۔ بیٹے ذوی الفروض نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کا کوئی
خاص حصہ مقرر نہیں ہے لیکن بہن کا حصہ قرآن میں مقرر ہے پھر بھی چونکہ بیٹے اقرب
ہیں اس لیے وہ وارث ہوں گے اور بہن کو ان کی موجودگی میں میراث نہیں مل سکتی۔

سببی رشتہ کی میراث

سببی رشتہ میں شوہر اور زوجہ کا حصہ مقرر ہے:۔
شوہر کے لیے بموجودگی اولاد چوتھائی (ربع) اور بغیر اولاد آدھا (نصف) مقرر
ہے اور زوجہ کے لیے بصورت وجود اولاد آٹھواں حصہ (ثمن) اور بغیر اولاد کے ربع معین
ہے (ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد فان کان لھن
ولد فلکم الربع مما ترکن من بعد وصیۃ یوصین بھا او دین ولھن الربع
مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم
من بعد وصیۃ توصون بھا او دین (نساء ۱۲)
شوہر اور زوجہ نسبی ہر طبقہ کے ساتھ میراث کے حقدار ہوتے ہیں ان کا جو ان کا حصہ
ہو وہ پہلے ان کے لیے نکال لیا جاتا ہے پھر اور وارثوں کے حصے دیکھے جاتے ہیں
مثلاً اگر شوہر اور کئی بہنیں ہیں تو چھ میں سے شوہر کو آدھا یعنی تین حصے
دیے جائیں گے اور باقی تین بہنوں کو ملیں گے۔ حالانکہ حصہ ان کا دو تہائی یعنی
چھ میں چار ہوتے ہیں۔

عصبہ کے لیے کوئی خصوصیت نہیں

قرآن نے عام اصول میراث کا یہ بتایا ہے کہ اولوا الارحام بعضہم اولیٰ ببعض یعنی جو قرابت میں قریب تر ہوں انھیں میراث کا استحقاق ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ صاحبان فرض ہوں یعنی ان کا حصہ مخصوص مقرر ہو۔ یا بغیر صاحب فرض ہوں۔ پدری رشتہ دار ہوں یا مادری اور صنف ذکور سے ہوں یا اناث سے لہٰذا اگر قریب تر موجود ہیں اور وہ صاحب فرض ہیں تو ان کو ان کا مقررہ حصہ دینے کے بعد باقی متروکہ بھی بربنائے قرابت دے دیا جائے گا۔ ان کی موجودگی میں دور کے رشتہ داروں کو جو عصبہ کہلاتے ہیں کوئی جز بھی دینا عموم حکم قرآنی کے خلاف ہے[1]۔

اسی طرح دوسری آیت للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل منہ او کثر نصیبا مفروضا۔

یہاں بھی قرابت کو معیار وارث قرار دیا ہے جس میں ظاہر کر دیا ہے کہ مرد اور عورت کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ لہٰذا اقرب کو چھوڑ کر عصبہ کو میراث دلوانا اور باوجود قرب کے اناث کو محروم کر دینا بھی تعلیم قرآن کے خلاف ہے[2]۔

یہ ہمارے اور اہل سنت کے درمیان ایک بنیادی نکتہ خلاف ہے جس میں قرآن ہمارے ساتھ ہے۔

مثال:۔ میت نے ایک بیٹی چھوڑی اور ایک بہن۔ یہاں اہل سنت کہتے ہیں کہ بیٹی کو نصف

---

[1] علامہ طبرسی فرماتے ہیں۔ وفی قولہ اولوا الارحام بعضہم اولیٰ ببعض دلالۃ علی ان من کان اقرب الی المیت فی النسب کان اولی بالمیراث سواء کان ذا سہم او غیر ذی سہم او عصبۃ او غیر عصبۃ (مجمع البیان)

[2] طبرسی لکھتے ہیں ہذہ الآیۃ تدل علی بطلان القول بالعصبۃ لان اللہ تعالیٰ فرض المیراث للرجال و للنساء فلو جاز منع النساء من المیراث فی موضع لجاز ان یمنع الرجال بحرمانہن فی المنع من المیراث وتدل ایضاً علی ان ذوی الارحام یرثون لانہم من جملۃ النساء والرجال الذین مات عنہم الاقربون (مجمع)

دیتے کے بعد نصف عصبہ کی حیثیت سے بہن کو دے دیا جائے گا۔ حالانکہ حسب اصول میراث یہ ہو گیا کہ اولوا الارحام بعضھم اولی ببعض یعنی جو قرابت میں قریب ہو وہ اولی بالمیراث ہے تو میراث کسی ایک جز کو بھی قریب کے ہوتے ہوئے دور کو دلوانا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ اسی لئے ترجمان القرآن حبر الامۃ عبد اللہ بن عباس کا فتویٰ اس بارے میں فقہ امامیہ کے مطابق تھا کہ پوری میراث بیٹی کو ملے گی اور اس کے ہوتے ہوئے بہن کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

عصبہ کا دوسرا اصول یہ ہے کہ قرابتداروں میں غیر ذوی الفروض میں اگر ایک ہی درجہ میں ذکور اور اناث دونوں موجود ہوں تو بحیثیت عصبہ کے مردوں کو ملیگا۔ عورتوں کو نہ ملے گا حالانکہ جب قرآن نے اعلان کر دیا کہ مرد اور عورت دونوں کا میراث میں حصہ ہے تو انکی دطبقہ کے باوجود مردوں کو میراث سے مخصوص کرنا بھی کتاب اللہ کے خلاف ہے۔ بلکہ بقول جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کے یہ زمانہ جاہلیت کے بقیہ آثار میں سے ہے کہ اس زمانہ میں عورتوں کو مردوں کے ہوتے ہوئے میراث کا حق دار نہ سمجھا جاتا تھا[ل] اور قرآن نے اس کے بالمقابل تنبیہہ کی ہے۔ کہ افحکم الجاھلیۃ یبغون ومن احسن من اللہ حکما لقوم یوقنون "کیا مسلمان ہو کر بھی یہ جاہلیت کے احکام کی پیروی کریں گے۔ حالانکہ صاحبان یقین کے لیے اللہ سے بڑھ کر کس کے احکام درست ہو سکتے ہیں (مائدہ ۵۱)

ظاہر ہے کہ قرآن کے مقابلہ میں روایات کا کوئی وزن سمجھا نہیں جا سکتا ہے جبکہ ان کے مقابلہ میں اہل بیت معصومین علیہم السلام کے متفقہ روایات قرآن مجید کے فیصلہ کے مطابق موجود ہیں اور وہ اس کے خلاف عصبہ کے استحقاق کی نفی کرتے ہیں۔

مسئلہ عول

ایک خاص اختلاف ہم میں اور اہلسنت میں اس موقع پر ہے کہ جب مال معینہ حصول سے کم پڑتا ہو یعنی موجودہ ورثہ کے لحاظ سے از روئے قرآن جتنے حصے ہونا چاہئیں وہ سب ایک

ل توریث الرجال دون النساء مع المساواۃ فی القربیٰ والدرجۃ من احکام الجاھلیۃ قد نسخ اللہ تعالیٰ بشریعۃ نبینا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احکام الجاھلیۃ (انتصار)

ساتھ نکل ہی نہ سکتے ہوں جیسے کوئی عورت دنیا سے اٹھی اور ورثہ میں اس نے ایک شوہر چھوڑا اور والدین چھوڑے اور دو بیٹیاں۔

اس صورت میں شوہر کو ربع ملنا چاہیئے۔ والدین کو سدسین اور بیٹیوں کو ثلثین مگر جب ہم نے تمام متروکہ کے بارہ حصے کرکے ثلثین یعنی آٹھ دونوں بیٹیوں کو دے دیئے اور سدسین یعنی چار ماں باپ کے سپرد کر دیئے تو مال پورا ختم ہو گیا۔ اب شوہر کے لیئے چوتھائی متروکہ یعنی بارہ میں سے تین کہاں سے آئیں اور اگر ہم شوہر کو تین دے دیں لڑکیوں کو ثلثین یعنی ۸ دیدیں تو یہ ہو گئے گیارہ۔ اب صرف ایک رہ گیا۔ یہ والدین میں سے ایک کا بھی پورا حصہ نہیں ہے کیونکہ ہر ایک کو بارہ میں سے دو ملنا چاہئیں چہ جائیکہ دونوں کے لیے۔

اس صورت میں فقہائے اہل سنت اس کے قائل ہیں کہ سب حصوں کو جمع کر لیا جائے یعنی بارہ میں سے بیٹیوں کو ۸ ملنا چاہئیں۔ والدین کو ۴ اور شوہر کو ۳۔ یہ سب ہوئے پندرہ۔ لہذا تمام متروکہ کو ۱۵ حصوں پر تقسیم کرکے بانٹ دیا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی کو بھی اس کا پورا حصہ نہیں ملا۔ کیونکہ بیٹیوں کو حصہ حقیقتاً بارہ میں کے آٹھ تھے۔ جو کہ ثلثین تھے نہ کہ پندرہ میں کے ۸۔ اب ظاہر ہے کہ پورے مال کے ۱۲ حصے کرکے آٹھ دیے جائیں تو وہ حصے بڑے ہوں گے۔ اور ۱۵ حصے کرکے ۸ دیے گئے تو یقیناً اس سے کم ہوں گے۔ اسی طرح ابوین کو سدسین ملنا چاہئیں تھے سو حقیقتاً ۱۲ میں سے ۴ تھے۔ اب ۱۵ حصے کرکے ۴ دیے تو وہ اس سے کم ہیں کہ جتنا ان کو ملنا چاہیئے تھا اور یہی شوہر کا حصہ ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ نہ ابوین کو متروکہ کے سدسین ملے نہ لڑکیوں کو ثلثین اور نہ شوہر کو ربع دستیاب ہوا۔

اہل بیت معصومین ؑ نے جو شریعت اسلام کی ترجمانی فرمائی ہے اس کے رو سے اس محل پہ متروکہ کے وہی بارہ حصے کیے جائیں گے جو کہ ہونا چاہئیں۔ مگر ورثہ میں یہ دیکھا جائیگا کہ کس کے حصہ کو نظر شارع میں زیادہ اہمیت حاصل ہے اور کس کو اتنی اہمیت نہیں ہے۔

اس اہمیت کا اصول یہ بتایا گیا ہے کہ جن کے لیے شریعت میں دو سہم مقرر کیے گئے

ہیں مثلاً شوہر درصورت عدم اولاد اسکا نصف ہے اور درصورت وجود اولاد اس کا ربع ہے۔ اسی
طرح ماں ! سے ایک صورت میں اسے ثلث ملتا ہے۔ اور پھر دوسری صورت میں سدس۔ انھیں سمجھنا
چاہیے کہ شرعاً انکی اہمیت ہے کیونکہ ان کے لیے کمی کے بعد بھی ایک حصّہ مقرر کر دیا گیا ہے اس
کا مطلب یہ ہے کہ اس سے کم انہیں نہ ملنا چاہیے۔ اور جس کے لیے بس ایک حصہ مقرر ہے اور
پھر دوسری شکل میں کچھ مقرر نہیں ہے جیسے ایک لڑکی اس کے لیے تنہا ہونے کی شکل میں نصف
ہے اور اگر لڑکا موجود ہو تو پھر کوئی خاص حصہ نہیں ہے۔ بلکہ جو اس کے حصہ میں تقسیم کے بعد آ جائے
اسی طرح دو لڑکیاں ان کے لیے تنہا ہونے کی شکل میں ثلثین ہیں۔ لیکن لڑکا موجود ہے تو بس لڑکے
کو دہرا اور لڑکیوں کو اکہرا دیا جائیگا جتنا بھی پڑ جائے۔ اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ انھیں اتنی
اہمیت نہیں ہے جتنی پہلے قسم کے ورثہ کو ہے۔ لہٰذا جب متروکہ سب ورثہ کو باعتبار سہام نہیں پہنچ
سکتا تو پہلی قسم کے ورثہ کو تو ان کے حصے پورے دے دیے جائیں گے۔ اور باقی جو بچے گا۔ وہ
دوسری قسم کے وارث کو ملے گا۔ لہٰذا مذکورہ صورت مسئلہ میں کہ ایک شوہر ہے اور دو ماں باپ
اور دو بیٹیاں۔ یہ ہونا چاہیے کہ شوہر کو اس کا ربع پورا دے دیا جائے اور والدین کو سدسین
دے دیے جائیں اور باقی دونو بیٹیوں کو۔

صحیح طور پر تقسیم کرنا ہو تو متروکہ کے ۲۴ حصے کر دیے جائیں۔ چوتھائی یعنی
چھ شوہر کو۔ سدسین یعنی آٹھ والدین کو اور باقی رہ گئے دس۔ وہ دونوں
لڑکیوں کو پانچ پانچ برابر سے دے دیے جائیں۔
اس طرح کمی صرف بیٹیوں کے حصہ میں ہوئی۔ باقی ورثہ کو ان کا پورا حصہ
مل گیا۔

والسلام

علی نقی النقوی